AL-MISBAH
RESEARCH JOURNAL

Al-Misbah, **Vol. 2, No. 4**(2022),96-106
https://almisbah.info/

اسلامی تصوف کے تناظر میں محبت اور انسانیت کے تعلق کا تجزیاتی مطالعہ

AN ANALYTICAL STUDY OF THE RELATIONSHIP BETWEEN LOVE AND HUMANITY IN THE CONTEXT OF ISLAMIC SUFISM

* Muhammad Saleem Sarwar

ABSTRACT

Sufism means attaining such a state of spiritual and moral purity by purifying oneself that the heart of man becomes the house of God. There is no conflict between Sufism and religion in Islam, because even the Sufis of Islam dedicate themselves to God and His creation following the way of the Prophet. The Sufis have described love as the soul of humanity and did not even care about life to fulfill this great goal. The Sufis said that the true love of humanity is the love of God. In this article, we will try to know the relationship between Islam and Sufism. Sophia's love for humanity is discussed by examining the relationship between Sophia and God.

Keywords: Sufism, Islam, Love, Humanity, Purifying

تصوف کا تعارف

"تصوف عربی زبان سے اسم مشتق ہے ثلاثی مزید فیہ کے باب تفعل سے مصدر ہے اور اردو میں بطورِ مصدر مستعمل ہے۔ اردو میں سب سے پہلے ۱۶۸۲ء کو شاہی کے کلیات میں مستعمل ملتا ہے۔ اسم کیفیت (مذکر۔ واحد)۔"[1]

وہ مسلک جس کے وسیلے سے صفائی قلب حاصل ہوتی ہے۔ تزکیہ نفس کا طریقہ، اشیائے عالم کو صفات حق کا مظہر جاننا، علم معرفت۔ تصوف کی بنیاد تمام تر وارداتِ باطنی پر تھی۔

تصوف کی ذیلی اقسام میں سے ایک قسم جس میں تصوف اور اس کے متعلقات سے بحث ہوتی ہے یا وہ قسم جس میں درویش اپنے جذبات کا اظہار صرف لباس سے کرتے ہیں، صوف پوشی، پشمینہ پوشی۔

تصوف میں اکثر اوقات تزکیہ نفس اور روح کی صفائی کی بات کی جاتی ہے اور یہ سلسلہ اکثر یہیں سے ہی شروع ہوتا ہے۔ صوفیا کرام خود بھی اپنا تزکیہ کرتے ہیں اور دوسروں کو بھی تزکیے کی فکر دیتے رہتے ہیں۔ آل احمد سرور نے "اقبال اور تصوف" نامی کتاب لکھی اس میں تصوف کی تعریف اس طرح کرتے ہیں:

"تصوف کی تعریف اور اس کی اصل حقیقت ہے تزکیہء نفس اور تجلیٔہ باطن کر کے ایسا پاک وصاف اور روحانی کمالات اور اخلاقی بلندی کے اعتبار سے ایسا بن جانا کہ دل عشقِ الٰہی کا گہوارہ ہو۔"[2]

اے جے آربری انگریزی زبان لکھی ہوئی اپنی کتاب "صفیازم" میں تصوف کے حوالے سے کچھ اس طرح لکھتے ہیں:

"The theology of the Sufis or mystics of the East mystics devoting oneself to contemplation'' [3]

---

* PhD research scholar Urdu and Urdu lecturer at Astron college of science and commerce Rawalpindi.

ISSN-Online: 2790-8828
ISSN-Print: 2790-881X

لفظ تصوف کا ماخذ:

عربی زبان کی روسے اس لفظ کی شہادت معدوم ہے۔ اس حوالے سے ''حقیقتِ تصوف'' میں محمد مختار خان غزنوی لکھتے ہیں:

"عربی زبان کی روسے اس نام کی اصل شہادت نہ قیاس سے ملتی ہے، نہ ہی اشتقاق سے، واضح امر تو یہی ہے کہ یہ نام لقب کی طرح ہے۔ اب رہے وہ لوگ جو یہ کہتے ہیں کہ یہ لفظ 'صوف' سے اور ''تصوف'' سے نکلا ہے کیونکہ۔ کیونکہ عربی میں جو کوئی صوف لباس پہنے تو اس کے لیے تصوف کا لفظ بولتے ہیں۔ جس طرح قمیض پہننے کے لیے تقمص کا لفظ بولا جاتا ہے۔ تو یہ اس کے اشتقاق کی ایک وجہ ہو سکتی ہے مگر ان لوگوں کا مخصوص لباس صوف نہ تھا (البتہ اکثر یہی پہنا کرتے تھے)۔"[4]

تصوف اور صوفی کے تعلق کو کچھ لوگ مسجد نبوی کے چبوترے ''صفہ'' سے جوڑتے ہیں مگر اس روایت میں بھی کوئی حقیقت نظر نہیں آتی کیونکہ صفہ کا اسم نسبت ''صفی'' آتا ہے۔ اس اسم نسبتی کے بعد صوفی کے لفظ کو صفہ کے ساتھ نہیں جوڑا جا سکتا۔

صوفی کے لفظ کو کچھ لوگ صفاء کے ساتھ جوڑتے ہیں یہ بھی ٹھیک نہیں کیونکہ اس حوالے کو لغت صحیح ثابت نہیں کرتے ہیں۔ اس حوالے سے مختار احمد غزنوی اپنی کتاب ''حقیقتِ تصوف'' میں لکھتے ہیں: ''ان لوگوں کا قول جو اسے صفاء سے مشتق بناتے ہیں۔ یہ لغت کے لحاظ سے بعید از قیاس ہے''[5]

تصوف کی تعریف کے حوالے سے کچھ مشہور بزرگانِ دین کے اقوال:

ابو محمد جریری کا قول:

"میں نے محمد بن یحییٰ الصوفی سے سنا کہ عبداللہ بن علی التمیمی فرماتے تھے کہ کسی نے ابو محمد جریری سے تصوف کے متعلق سوال کیا تو فرمایا: یہ ہر اعلیٰ خلق میں داخل ہونے اور ہر ذلیل خلق سے نکلنے کا نام ہے۔"[6]

تصوف اور اسلام

اسلام کی شریعت اور طریقت بھی یہی ہے کہ انسان جسمانی پاکیزگی اور اعمال کے ساتھ ساتھ اپنے نفس سے بھی واقفیت حاصل کرے کیونکہ جب تک انسان اپنی ذات کو نہیں پہچان لیتا تب تک وہ اپنے رب تک بھی ویسے یقین کے ساتھ نہیں پہنچ پاتا جیسا یقین اسے چاہیے ہوتا ہے۔

اسلام کی شریعت اور طریقت کے بالکل مشابہ ایک صوفی بھی خدا کے حضور خود کو ایک بڑے کامل یقین کے ساتھ پیش کرتا ہے۔ آپ ﷺ کی زندگی، صحابہ کرام اور تابعین کی زندگی سے ایسے اثرات ملتے ہیں جو تصوف کے ساتھ جوڑ کھاتے ہیں۔ ''اقبال اور مسلکِ تصوف'' میں ڈاکٹر ابو اللیث صدیقی لکھتے ہیں:

"مختلف اسلامی اور غیر اسلامی عناصر و اثرات نے جس طرح مسلمان صوفیا، متصوفی اور حکما کے خیالات وافکار پر اثر ڈالا ہے اس کا اندازہ اسلامی تصوف کی تاریخ سے بخوبی ہو سکتا ہے۔ رسول اکرم، صحابہؓ اور تابعینؒ کی زندگی میں صفائے قلب، سادگی، نیکی فقر و قناعت، استغنا و توکل، صبر و ایثار، عبادت و ریاضت، ذکر و فکر کے بعض آثار موجود ہیں جنھیں اسلامی تصوف کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے۔"[7]

مذہب تصوف سے متاثر نہیں ہوتا کیونکہ مذہب پہلے آتا ہے اور اسی مذہب میں سے صوفی پیدا ہوتے ہیں اور یہ سلسلہ ہر دور میں جاری رہا ہے۔ تصوف اور مذہب کا آپسی ٹکراؤ نہیں ہے۔ جس طرح صوفی ایک حساس شخص ہوتا ہے بالکل اسی طرح تصوف بھی مذہب کے چند حساس

جذبات کی عکاسی کرتا ہے۔اس لیے مذہب اور تصوف کا ٹکرا نہیں ہو تا بس یہ تو صرف چند کج ذہن لوگ ہوتے ہیں جو مذہب اور تصوف کو آمنے سامنے لاتے ہیں۔مذہب اور تصوف کے حوالے سے محمد مختار خان غزنوی بشیر احمد ڈار کا ایک بیان نقل کرتے ہیں:

"کوئی مذہب تصوف سے متاثر نہیں چونکہ تصوف تاریخی طور پر بعد کی پیداوار ہے،واقعہ یہ ہے کہ تصوف مذہب کے محض جذباتی عناصر کو ایک علیحدہ اور منفرد شکل دینے کی کوشش کا نام ہے۔"[8]

صوفی بھی اپنے نفس کے ساتھ اسی لیے جہاد کرتا ہے کہ وہ متقی بن جائے اور اسے رب کی قربت مل جائے۔صوفی ہمہ وقت نفس کے تزکیے پر لگا رہتا ہے تاکہ وہ اپنے نفس کو اس قدر قابو میں کرلے کہ اس کا رب راضی ہو جائے۔تزکیہ نفس کے حوالے سے رب کا قرآن کہتا ہے:

"اللہ ہی وہ ذات پاک ہے جس نے امیوں میں ایک عظیم المرتبت نبی مبعوث فرمایا ان جو انھیں اس کی آیات پڑھ کر سناتا ہے،اور ان کے نفوس کا تزکیہ کرتا ہے اور انھیں کتاب اور حکمت سکھاتا ہے۔"[9]

صاحب شریعت بندہ اللہ کو اس طرح پہچان لیتا ہے جس طرح پہچاننے کا حق ہے۔ایک صاحب شریعت جب صوفی کے درجے تک پہنچ جاتا ہے تو وہ اس قدر کامل یقین والا بن جاتا ہے کہ اس کا ایمان کہتا ہے کہ جو غیب کی چیزین اور غیب کے مکین میں دیکھ سکتا ہوں اور دوسرے نہیں دیکھ سکتے۔اس بات کی تصدیق میں خواجہ شمس الدین عظیمی لکھتے ہیں:

"علم شریعت اور علم حضوری سیکھنے کے بعد انسان کے شعور میں غیب پر یقین اور غیب کے مکینوں کو دیکھنے کی صلاحیت پیدا ہو جاتی ہے۔"[10]

تصوف کا علم یا حضوری ملنے کے بعد ایک صوفی اس جہاں سے نکل کر دیگر جہاں کی سیر کرتا ہے جہاں پہنچنا عام انسان کے بس کی بات نہیں۔صوفی خود کو رب کے ذکر و اذکار کے لیے مختص کر دیتا ہے اور اس کے لیے دنیا کے مال و متاع کوئی معنی نہیں رکھتے کیونکہ اسلام میں بھی توکل اور بھروسے کی تلقین کی گئی ہے۔اللہ نے اپنے نبی کو کہا" اے نبی ہم نے تمھیں متوکل بنا کر بھیجا۔"صوفیا کرام کی بہت سی باتیں خاص لوگوں سے مختلف ہوتی ہیں اور صوفیا انھی باتوں کو اپنی عبادات کا صلہ اور رب کی خاص عطا سمجھتے ہیں۔

صوفیا کرام کا عرفانِ ذات حاصل کرنا،خدا کی حضوری میں خود کو ویسے پیش کرنا جیسے رب کو وہ پسند آجائیں پسندیدہ اشغال ہیں اور پھر انھی اشغال کے بل بوتے پر اسلام کے مطابق ایسے تذکیہ نفس کرتے ہیں کے خود کو عام مخلوق سے بلند تر درجے پر پہچانے میں کامیاب ہو جاتے ہیں اور اس بات کو وہ اپنے لیے رب کا خاص انعام سمجھتے ہیں۔

صوفیا کے دل میں خدا کی محبت کے ساتھ ساتھ خدا کی مخلوق کی محبت بھی ویسی ہی ہوتی ہے۔ہر دور کے صوفی کا یہ مطمع نظر رہا ہے کہ وہ اپنے خالق کی رضا کے لیے مخلوق سے ایسی محبت کرے کہ خالق خود صوفی منتخب اشخاص میں شامل کرلے۔اسلامی تصوف کی تاریخ گواہ ہے کہ ماضی بعید میں حسین بن منصور حلاج،شمس تبریز اور مولانا روم جیسے صوفیا نے انسانیت سے محبت کی ایسی مثالیں قائم کی ہیں جن پر نہ صرف مشرق بلکہ مغرب بھی رشک کی نگاہ رکھتا ہے۔

مولانا رومی صوفیا میں سے شاید واحد بزرگ تھے علوم باطنی کے ساتھ ساتھ دنیاوی علوم میں بھی برابر کمال رکھتے تھے۔ان کے علم کا چرچا قرب و جوار میں ہر جگہ پھیلا ہوا تھا۔مولانا روم شہر کی جامعہ مسجد میں خطیب تھے۔لیکن ان کی زندگی خاموش دریا کی طرح ایک عرصے تک چلتی رہی مگر اس ٹھہرے ہوئے دریا میں اس وقت پہلا انقلاب پیدا ہوا جب انھوں نے خواب دیکھنے شروع کیے۔مولانا کی زندگی میں پہلی جھلک اس وقت نمودار ہوئی جب انھوں نے چالیس دن تک مسلسل ایک ہی خواب دیکھا۔مولانا رات کے پہر جب خواب دیکھتے تو ان کی حالت عجیب ہو جاتی اور ان کا چہرہ زرد پڑ جاتا۔مولانا کی ایسی حالت پر ان کی بیوی کیرا اکثر جاگ جاتیں اور مولانا کو راحت محسوس کرنے کو کہتی مگر مولانا ان کو

دوبارہ سونے کو کہتے اور خود اصل روشنی کی تلاش میں رہتے۔ اب مولانا روم کی زندگی کا دوسرا دور شروع ہونے جا رہا ہے۔ اس حوالے سے محمد اکرم چغتائی اپنی مرتبہ کتاب میں لکھتے ہیں:

"ان کی زندگی کا دوسرا دور درحقیقت شمس تبریز کی ملاقات سے شروع ہوتا ہے۔۔۔ یہ عجیب بات ہے کہ شمس تبریز کی ملاقات کا واقعہ مولانا کی زندگی کا سب سے بڑا واقعہ ہے۔ تذکروں اور تاریخوں میں اس قدر مختلف اور متناقض طریقوں سے منقول ہے کہ اصل واقعہ کا پتہ لگانا مشکل ہے۔"[11]

یہ وہ جھلک تھی جس کے ذریعے مولانا روم محبت کے ایک بے کراں سمندر میں غوطہ زن ہونے جا رہے تھے۔ اسی واقعے کے متعلق مولانا کے استاد سید برہان کہا کرتے تھے کہ تم اللہ کے پیارے بندے ہو اور تمھیں اللہ اپنے عظیم کام کے لیے منتخب کرے گا۔

شمس تبریز، مولانا روم سے اس ملاقات کے بعد جانے کے لیے اجازت طلب کرتے ہیں تو مولانا نے ان کو جانے سے روکا اور مزید ان کے ساتھ وقت بتانے کی خواہش کا اظہار کیا۔ شمس تبریز نے اسی ملاقات میں جب اگلا سوال کیا۔"اور آپ کے متعلق کیا معاملہ ہے عظیم مبلغ؟ مجھے بتائیے، آپ کا پیالہ کتنا بڑا ہے؟"[12]

یہ سوال کوئی عام سوال نہیں تھا بلکہ اس ملاقات کا نچوڑ کہا جا سکتا ہے اور اسی سوال نے مولانا روم کو اپنے سحر میں لے لیا۔ مولانا روم جب اس سوال اور جواب کی محفل میں مطمئن ہو گئے تو انھوں نے شمس تبریز کو اپنے ساتھ لے جا کر مزید رازوں کو جاننے کی ٹھان لی۔

مولانا رومی کی طبیعت میں تجسس کی لہر:

مولانا روم وہ جام پی چکے تھے جس کے لیے وہ ازل سے پیاسے تھے۔ مولانا روم گھر تشریف لائے تو شمس تبریز بھی ان کے ساتھ تھے اور گھر آتے ہی دونوں کتب خانے میں جا پہنچے اور کتب خانے کا دروازہ اندر سے مقفل کر لیا۔ مولانا روم کے گھر والے یہ صورتحال دیکھ کر بہت حیران تھے کہ اس سے پہلے تو مولانا نے کبھی ایسا نہیں کیا کہ کسی درویش پر اس قدر فدا ہو جائیں اور پھر اُس کے لیے اپنے گھر والوں کی خبر تک نہ لیں۔

"سپہ سالار کا بیان ہے کہ چھ مہینے تک برابر دونوں بزرگ صلاح الدین زرکوب کے حجرہ میں چلہ کش رہے۔ اس مدت میں آب و غذا قطعاً متروک تھی اور بجز صلاح الدین کے کسی اور کو حجرہ میں آمد و رفت کی مجال نہ تھی۔"[13]

مولانا روم اور شمس تبریز کا کتب خانے میں بند ہونے کا سلسلہ ایک دن سے جونہی آگے نکلا پھر چالیس دن تک جا پہنچا اور اس دوران مولانا روم اپنے گھر والوں سمیت اپنے شاگردوں اور مسجد کے خطبے تک کو بھول گئے۔ چالیس روز گزرنے بعد شمس تبریز مولانا روم کو کہتے ہیں کہ میں جو باتیں آپ کو سکھانا چاہتا تھا وہ سکھا چکا ہوں۔

"ہمیں یہاں گوشہ نشین ہوئے چالیس روز ہو چکے ہیں۔ ہر روز ہم نے مذہبِ عشق کے چالیس اصولوں میں سے ایک پر بات کی۔ اب جب ہم یہ مکمل کر چکے ہیں، میرا خیال ہے کہ ہمیں باہر نکلنا چاہیے۔ آپ کی عدم موجودگی ہو سکتا ہے آپ کے خاندان کو پریشان کرے۔"[14]

مولانا روم چالیس دن تک کتب خانے بند رہنے کے بعد جب باہر نکلے تو وہ جان گئے کہ علم صرف یہی نہیں تھا جو میرے پاس تھا بلکہ نفس کو پڑھنے کے لیے بھی سات منازل طے کرنی پڑتی ہیں مطلب نفس سے جنگ کی بھی سات منازل ہیں کہ کوئی انسان رشد و ہدایت اور انسانیت کے کونسے مرتبے پر فائز ہے۔

مولانا رومی اور پوری دنیا ایک ہی دائرہ

مولانا روم نے شمس تبریز سے نفس کے تزکیے کے بعد انسانیت کی محبت کا درس بھی سیکھ لیا ہے۔ انسان خدا کی تلاش میں مکے مدینے اور مسجدوں میں جانے کے ساتھ ساتھ خدا کو انسانوں کے دل میں بھی تلاش کرے اور یہی وہ مقام ہے جس کو پا کر انسان انسانیت کے بلند ترین مقام پر فائز ہو جاتا ہے۔ اکثر مذہب کا علم رکھنے والے جو شیلے علماء خود کو تلاش کرنے اور خدا اور انسان کی محبت میں غرق کرنے کی بجائے دوسروں کے ساتھ نفرت پر مبنی لڑائیاں اور مقابلے کرتے ہیں۔ جب ایک انسان دوسرے انسان سے بے لوث محبت کرنا شروع کر دیتا ہے تو پھر آخرت کے انجام سے بھی بے خبر ہو جاتا ہے۔ یہی وہ مقام ہے جب ایک انسان ایک عام انسان کے درجے سے اٹھ کر صوفی کے درجے پر پہنچ جاتا ہے۔ ایک صوفی کی باقی خصوصیات کے ساتھ ساتھ ایک خصوصیت یہ بھی ہے کہ وہ دنیا و آخرت کو لمحہ واحد موجود سمجھتا ہے۔ اس کے نزدیک انسان کے دل میں جب خدا کی محبت آ موجود ہوتی ہے تو پھر اسے گھبرانے کی ضرورت نہیں کیونکہ اس کی سزا و جزا اسی دنیا میں اس کے ساتھ ہوتی ہے۔ ایک صوفی کے نزدیک جنت کی طلب ایک صلہ بن جاتی ہے اس لیے بھی وہ اپنی ہر محبت بغیر کسی صلے کی توقع رکھے کرتا ہے۔ ایک صوفی کا بہترین صلہ یہ ہے کہ اس محبت میں اس کی 'میں' بیرونی عناصر میں تحلیل ہو جاتی ہے اور پھر مزید اس کی کوئی 'میں' نہیں رہتی جس کی حفاظت کے لیے وہ دنیا کے جاہ و جلال کا متمنی ہو۔ مولانا رومی نے بھی اسی محبت کو دل میں بسا چکے تھے اور وہ دنیا کے جاہ و جلال کو بھول چکے تھے۔ صوفی ایسا ہوتا ہے کہ دنیا کے مال و متاع کو دیکھ کر اس کے دل میں نہ حسد پیدا ہوتا اور نہ ہی حوس پیدا ہوتی ہے۔ ایک سچا صوفی نہ حالات کی وجہ سے پریشان ہوتا ہے اور نہ ہی حالات کے ساتھ تبدیل ہوتا ہے۔ صوفیا کے ایسے ہی گروہ کے بارے میں محمد مختار خان غزنوی اپنی کتاب حقیقتِ تصوف میں لکھتے ہیں:

> "کہا جاتا ہے کہ صوفی وہ ہے جو ان احوال کی وجہ سے جو حق تعالی کی طرف سے اس پر ظاہر ہوں۔ اپنی ذات سے مستغنیٰ اور بے خبر ہوتا ہے۔ نیز کہا جاتا ہے کہ صوفی اللہ تعالیٰ کی تدبیر و تصرف کے سامنے مقہود ہوتا ہے اور عبودیت کے تصرفات کی وجہ سے مستور ہوتا ہے۔ نیز کہتے ہیں کہ صوفی میں تغیر نہیں آتا اور اگر آ بھی جائے تو اس میں میل نہیں ہوتا (پھر دل بھی صاف رہتا ہے)۔"[15]

مولانا روم نے شمس تبریز کی صحبت میں مذہبِ عشق کے اصول سیکھے اور یہ اصول کوئی عام اصول نہیں تھے بلکہ انسانیت سے محبت کی تدریس تھی۔

عشق ایک باطنی جذبہ

مولانا رومی اور شمس تبریز کی ملاقات سے انسانیت سے عشق کے اصول واضح ہوئے۔ مطلب عشق صرف وہی نہیں جو سستی جذباتیت کے لیے کیا جائے بلکہ اصل عشق وہ ہے جہاں انسان دنیا کے نفع و نقصان کو بھول جائے۔ عشق انسان کو سچی، کھری اور قربانی دینے والی انسیت سکھا دیتا ہے۔ عشق انسان کو اصل زندگی کی طرف لوٹا دیتا ہے۔ عشق سے انسان میں قربانی کا جذبہ پیدا ہوتا ہے۔ سچے عشق کی نشانی یہ ہے ہے جہاں عاشق کے دل میں تڑپ پیدا کرتا ہے وہیں محبوب کے دل میں بھی اپنے عاشق کے لیے بے پناہ محبت اور بیقراری پیدا کر دیتا ہے۔

مولانا روم جہاں اپنے اَن دیکھے محبوب کے لیے تڑپ رہے ہوتے ہیں وہیں محبوب بھی اپنے عاشق صادق کی تلاش میں سرگرداں رہتا ہے۔ اگر عشق سچا ہو تو شمس تبریز اور مولانا روم کی طرح خواب میں عاشق اور محبوب کو ایک دوسرے کے دیدار کروا دیے جاتے ہیں حتیٰ کے ایک دوسرے تک پہنچا بھی دیا جاتا ہے۔ شمس تبریز اپنے عشق کی تعبیر ایک خواب کے ذریعے دیکھتے ہیں کہ تم اپنے محبوب کو بغداد میں تلاش کرو:

> "بغداد چلے جاؤ۔ میرے محافظ فرشتے نے سریلی گنگناتی آواز میں کہا۔ بغداد میں کیا شے منتظر ہے؟ میں نے پوچھا۔
> تم نے ایک رفیق کے لیے دعا کی تھی اور ایک رفیق تمہیں عطا کیا جائے گا۔"[16]

شمس تبریز نے یہ دعا کسی عام شخص کے حصول کے لیے نہیں مانگی تھی بلکہ ایک عالمِ دین مطلب مولانا روم کے لیے مانگی تھی۔ شمس تبریز چاہتے تھے کہ وہ اس شخص کی نبض پر ہاتھ رکھیں گے تو وہ شخص دنیا کے لیے ہدایت کا روشن چراغ بن جائے گا۔ دوسری طرف مولانا روم بھی اپنے محبوب کے لیے تڑپ رہے ہیں اور وہ بھی ان کی شدید کمی محسوس کر رہے ہیں۔

"پھر کیوں مجھے اپنے اندر یہ خالی پن، یہ خلا محسوس ہوتا ہے جو ہر گزرتے دن کے ساتھ گہرا اور وسیع تر ہوتا چلا جاتا ہے؟ یہ کسی بیماری کی طرح میری روح کو مسلسل کترتا ہے اور جہاں کہیں میں جاؤں، میرے ہمراہ رہتا ہے۔"[17]

مغربی دنیا نے بھی اسلامی صوفیا سے انسانیت سے محبت کو سیکھتے ہوئے اپنانے کی کوشش کی ہے اور وہ کسی حد تک اس میں کامیاب بھی ہوئے ہیں۔ مغربی دنیا نے مسلم صوفیا میں شمس تبریز اور مولانا روم کو بہت حد تک اپنانے کی کوشش کی ہے۔ مغربی دنیا میں ان صوفیا کی پاکیزہ انسان دوستی کو جنسِ مخالف کے خول میں بند کرتے ہوئے دکھانے کی کوشش کی ہے اور جنسِ مخالف کے دائرے میں داخل ہو کر بھی اس صوفیانہ محبت کو جسمانی سطح سے بالاتر رکھتے ہوئے روحانی غذا بنا کر پیش کیا ہے۔ ایسی ہی صوفیانہ محبت کی ایک مثال ترکش ناول نگار ایلف شفق نے ایلا اور اے عزیز ظہارا کے ذریعے مغربی خطے کے پسِ منظر میں پیش کی ہے۔ ایلف شفق نے شمس تبریز اور مولانا روم کو ایک بار پھر وقت کی ضرورت سمجھتے ہوئے نئے چہروں کی صورت میں پیش کیا ہے۔

ایلا اور اے عزیز ظہارا کا عشق کوئی عام یا جسمانی عشق نہیں تھا بلکہ شمس تبریز ایک بار پھر اے عزیز ظہارا کے روپ میں دنیا میں آ موجود ہوا تھا۔ انسان اور انسانیت سے محبت اللہ کے بندوں کی ہر دور میں اور ہر خطے میں اولین ترجیح رہی ہے۔ اکیسویں صدی میں ایک بار پھر شمس تبریز انسانیت کو محبت کا درس دینے کے لیے آتا ہے۔ تیرھویں صدی میں یہی شمس تبریز رومی کے دل میں گھر کرتا ہے وہیں اکیسویں صدی میں شمس تبریز، اے عزیز ظہارا کی صورت میں ایلا کے دل میں گھر کرتا ہے اور ایلا اپنے خاوند کو چھوڑ کر اے عزیز ظہارا کے پاس جاتی ہے مگر وہ اس عورت سے کسی قسم کا کوئی یہ جسمانی عشق نہیں کرتا بلکہ ایک روحانی عشق کرتا ہے۔ ایسی محبت کے حوالے سے حضرت علی ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

"دوسری قسم یہ ہے کہ ایک جنس کی محبت کسی غیر جنس کے ساتھ ہو۔ ایسی محبت اپنے محبوب کی کسی صفت پر سکون و قرار حاصل کرنا ہوتا ہے تاکہ وہ اس خوبی سے راحت پائے اور انس حاصل کرے۔ مثلاً محبوب کا کلام سننا یا اس کے دیدار کا خواہاں ہونا وغیرہ۔"[18]

شمس تبریز اور مولانا روم کا تعلق صرف ایک تعلق نہیں ہے بلکہ اس تعلق میں ایک جہان محفوظ ہے۔ جیسے شمس تبریز نے ایک مخلص دوست کے لیے دعا کی تھی بالکل اسی طرح ایلا بھی ایک سچی محبت کی مشتاق تھی اور وہ بھی چاہتی تھیں کہ ان کی زندگی میں ایک ایسا شخص آئے جو ان کی زندگی کو حقیقی معنوں میں محبت سے آشنا کر دے۔ اے عزیز ظہارا جدید دور کا شمس بن کر ایلا کی زندگی میں داخل ہوا۔ طولبہ محمد المینی اپنے مقالے میں لکھتے ہیں:

"درحقیقت ان وواقعات میں نہ صرف دو صدیوں کا تعلق ہے بلکہ تاریخی اور مذہبی واقعات کے ذریعے ایک دوسرے سے مشابہت کے ذریعے جڑے ہوئے ہیں۔ شمس تبریز اور مولانا جلال الدین رومی کا رشتہ تیرھویں صدی میں تھا اور اکیسویں صدی میں ایلا اور اے عزیز ظہارا کی صورت میں دوبارہ وقوع پزیر ہوا۔ اکیسویں صدی

میں ایلا رومی کے مشابہ اور اے عزیز ظہارا شمس تبریز کی روح لے کر دوبارہ دنیا میں آتے ہیں۔اس ناول میں اے عزیز ظہارا کو جدید شمس تبریز کے طور پر دکھایا گیا ہے۔"[19]

صوفیا کا مذہب، مذہبِ عشق ہے اور تمام صوفیا ایک سلسلے کی کڑیاں ہوتے ہیں مطلب ایک ٹوٹی تو اس کی جگہ کسی دوسرے صوفی نے لے لی۔ جیسے رومی کے لیے شمس تبریز محبوب بن کر آتا ہے اسی طرح ایلا کے لیے اے عزیز ظہارا محبوب بن کر آتا ہے۔اس حوالے سے رومی کہتے ہیں:

"ہر صوفی جو مرتا ہے، اُس کی جگہ کہیں اور کوئی صوفی جنم لیتا ہے۔" ہمارا مذہب، مذہبِ عشق ہے اور ہم سب دلوں کی زنجیر کی صورت باہم جڑے ہوئے ہیں۔اگر اور جب کوئی کڑی ٹوٹ جاتی ہے تو کہیں اور کسی دوسری کڑی کا اضافہ ہو جاتا ہے۔ہر شمس تبریز جو اس جہان سے گزر جائے، اس کی جگہ کسی مختلف زمانے میں، کسی مختلف نام سے کسی نئے شمس کا ظہور ہو گا۔ نام بدل جاتے ہیں، لوگ آتے اور جاتے ہیں لیکن جوہر اور روح وہی رہتے ہیں۔"[20]

جیسے شمس تبریز اپنے محبوب مولانا رومی کو چھوڑ کر چلے جاتے ہیں ایسے ہی ایلا کا محبوب اے عزیز ظہارا بھی اپنی عاشق ایلا کو داغِ مفارقت دے جاتا ہے۔

"آدھے گھنٹے بعد جب وہ واپس آئی تو اسے کمرے میں ڈاکٹر اور ایک نوجوان نرس سر پر سکارف اوڑھے ملے اور چادر عزیز کے سر تک کھینچی ہوئی تھی۔وہ دنیا سے گزر چکا تھا۔"[21]

ایلا، اے عزیز ظہارا کے گزر جانے کے بعد زندگی کا تصور کرتی ہے کہ زندگی محبت کے بغیر خالی ہے جیسے گہرے نیلے رنگ کا لامتناہی آسمان ہے۔ایلا کو بھی رومی کی طرح اے عزیز ظہارا کو کھونے کی فکر لگی رہتی تھی آخر وہ کیوں نہ ڈرتی کیونکہ جس زندگی کو اتنے سالوں بعد اس کے ارمان ملے تھے اب ایک بار پھر وہ ارمان مبہم ہو چکے تھے۔ایلا اپنی بیٹی کو زندگی کی حقیقت بتاتی ہے اور کہتی ہے محبت کے بغیر اس زندگی کی کوئی اہمیت نہیں اور پھر مذہبِ عشق کا چالیسواں اصول بیان کرتی ہے:

"یہ اصول نمبر چالیس ہے۔" اُس نے آہستگی سے کہا، "محبت کے بغیر کوئی بھی زندگی کسی شمار میں نہیں۔خود سے مت پوچھو کہ تمہیں کیسی محبت کی جستجو کرنی چاہیے، روحانی یا مادی، الوہی یا دنیوی، مشرقی یا مغربی۔۔۔ تقسیم مزید تقسیم پر منتج ہوتی ہے۔محبت کا کوئی نام نہیں، کوئی تعریف نہیں۔یہ جو ہے بس وہی ہے، خالص اور سادہ۔محبت آبِ حیات ہے۔اور محب روح آتش ہے! جب آتش، آب سے محبت کرنے لگے تو کائنات مختلف طور پر محو گردش ہوتی ہے، ایک نئے سانچے میں ڈھلنے لگتی ہے۔"[22]

محبت روح کے لیے ایک ایسی روشنی ہے جس سے انسان کی روح مکمل طور پر روشن ہو جاتی ہے اور اگر یہ روح محبت سے خالی ہو جائے تو اس کی مثال ایک ویران گھر کی سی ہے۔انسان کا دل خدا کا گھر ہے جس میں خدا اور خدا کی مخلوق سے محبت کا بسیرا ضروری ہے۔عمر مذہب اور رنگ نسل سے بالاتر ہو کر محبت ہی وہ محور ہے جہاں سب اکٹھے ہو سکتے ہیں۔محبت کے بغیر یہ جہاں جوں ہے جیسے بغیر روح کے جسم ہوتا ہے۔

دنیا اصولِ محبت پر قائم

محبت ایک ایسا اصول ہے جس پر دنیا کی تمام بنیادیں ایستادہ ہیں اگر انسانوں میں سے محبت ختم ہو جائے تو دنیا کے تمام اصول اپنی موت آپ مر جائیں گے۔اس لیے ضروری ہے باقی بنیادوں کو محفوظ اور تادیر قائم رکھنے کے لیے محبت جیسی مرکزی بنیاد کو مضبوط رکھا جائے۔خالقِ

کائنات اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے اسی طرح مخلوق کو بھی چاہیے کہ وہ اپنے خالق اور خالق کی باقی مخلوق سے محبت سے پیش آئے۔ جس طرح خالق اپنی مخلوق سے محبت کرتا ہے اسی طرح مخلوق کو بھی چاہیے کہ اپنے خالق سے محبت کرے۔ نبی ﷺ نے فرمایا کہ انسان دنیا میں جس سے محبت کرتا ہے کل قیامت کے دن بھی وہ اسی کے ساتھ اٹھایا جائے گا۔ حضرت علی ہجویریؒ نے اپنی کتاب کشف المحجوب میں سمنون محب کا ایک قول نقل کیا ہے:

"اللہ کے محب دنیا و آخرت کے شرف کی طرف گئے ہیں کیونکہ حضور ﷺ نے فرمایا: انسان اس کے ساتھ ہوتا ہے جس سے وہ محبت رکھے۔"[23]

محبت ایک بنیادی دائرہ ہے جس میں داخل ہو کر ہی انسان چکر کاٹتے کاٹتے خدا تک پہنچ جاتا ہے۔ انسان خدا تعالیٰ کی نہ صرف افضل ترین مخلوق ہے بلکہ پسندیدہ اور قریب ترین مخلوق بھی ہے۔ انسانوں کو پہچاننے اور انسانوں سے محبت کرنے سے خدا سے محبت بھی مضبوط ترین ہو جاتی ہے۔ حسین بن منصور حلاج بھی ایک ایسا ہی صوفی گزرا ہے جس نے جس قدر شدید محبت خدا سے اس قدر شدید محبت ہی خدا کی مخلوق سے کی۔ جمیلہ ہاشمی اپنے ناول "دشتِ سوس" ایک واقعہ کا ذکر کرتی ہیں جہاں ایک خاتون حسین بن منصور حلاج کو خدا کی مخلوق کو دیکھنے کی نصیحت کرتی ہیں:

"سب سے اعلیٰ مخلوق انسان ہے اور اگر خدا توفیق دے تو اسے ضرور غور سے دیکھو۔ ہو سکتا ہے خدا کا جلوہ کسی طور کسی چہرے کسی سراپے میں تمہیں دکھائی دے۔"[24]

شمس تبریز نے مولانا روم کو چالیس اصولوں میں سے ایک اصول، اصل غلاظت کے متعلق بتایا کہ ہم صرف بیرونی غلاظت سے نفرت کرتے ہیں حالانکہ یہ اصل غلاظت نہیں ہے بلکہ اصل غلاظت وہ ہے جس سے ہماری روح بھی غلیظ ہو جاتی ہے۔ ہم عبادات کے ذریعے جسم کی غلاظتوں کو تو دور کر سکتے ہیں مگر روح کی غلاظت کو دور کرنے کے لیے محبت جیسی غذا کی ضرورت ہے۔ اصل صفائی روح کی صفائی ہے جس کے لیے ہم کوشش نہیں کرتے۔

"اصلی غلاظت اندر ہوتی ہے۔ باقی سب تو آسانی سے دھل جاتا ہے۔ صرف ایک قسم کا گرد و غبار اور داغ ہے جو پاک پانی سے بھی نہیں دھلتا اور وہ روح کو داغ دار کرتا نفرت اور تعصب کا داغ ہے۔ تم اپنے بدن کو تو پرہیز گاری اور روزہ رکھ کر پاک کر سکتے ہو مگر قلب کا تزکیہ کرنے والی شے صرف محبت ہے۔"[25]

شمس تبریز نے اس محبت کی بے شمار مثالیں مولانا روم کو سکھائیں اور کچھ ان کے شہر میں ان کے سامنے قائم بھی کی ان میں سے ایک طوائف، گل صحرا بھی ہیں جو مسجد میں آئی مسجد والے لوگوں نے اسے دھر لیا اور اس پر طرح طرح کی زبان استعمال کرنے لگے۔ اس وقت بہت سے لوگ اسے مارنا چاہتے تھے جو شاید صرف اس کے ظاہری حلیے سے واقف تھے۔ اس کے ظاہری حلیے کو جاننے والے یہ بھی بھول گئے کہ اگر وہ یہاں بھیس بدل کر آئی ہے تو یقیناً اپنا دل صاف کر کے آئی ہو گی۔ اس ہجوم میں سے کسی کو بھی ہمدرد نہ پا کر شمس تبریز نے اس طوائف کو وہاں سب کے ستم سے بچا کر انسانیت سے محبت کا ثبوت دیا اور مثال قائم کر دی۔

"درویش نے طوائف کا ہاتھ تھاما اور اسے نوجوان لڑکے کے اور ہجوم سے پرے اپنی طرف کھینچ لیا۔ وہ ان کے پیچھے چھپ گئی، کسی ننھی بچی کی طرح جو اپنی ماں کے لباس کے پیچھے چھپ رہی ہو۔"[26]

عورت محبت کا روپ:

عورت محبت کی علامت ہے اور محبت کی خوراک سے ہی تربیت حاصل کرتی ہے۔ عورت ہر روپ میں محبت کا پیکر ہوتی ہے۔ عورت کی محبت ایک ماہر استاد کی طرح ہے کیونکہ اس سے بہت سے لوگ تربیت حاصل کرتے ہیں۔ عورت ماں، بیٹی، بہن اور بیوی ہر روپ میں محبت کا جیتا جاگتا ثبوت ہے۔ عورت کی محبت کی اہمیت سب سے زیادہ اس وقت سامنے آتی ہے جب وہ کسی مرد کے لیے اپنی محبت کو قربان کرتی ہے اور پھر اس کو اپنا گرویدہ بناتی ہے۔ یہ عورت صرف مرد کو اپنا گرویدہ ہی نہیں بناتی بلکہ اسے بدلنے کی چاہت رکھتی ہے۔ اسی طرح کمیا بھی شمس تبریز کی محبت میں گرفتار ہو کر انھیں بدلنا چاہتی ہے۔ ''میں کسی کے سامنے بھی اعتراف کر سکتی تھی کہ میں شمس تبریز سے محبت کرتی تھی۔''[27]

کمیا نے صرف اعتراف ہی نہیں کیا بلکہ ایک عزم بھی کیا کہ میں شمس تبریز کو اپنی محبت سے خانہ بدوشی سے روک لوں گی۔ جب کیرا نے کمیا کو روکا کہ آپ شمس تبریز کو سمجھا نہیں سکیں گی تو انھوں پر اعتماد جواب دیا۔

"کوئی بات نہیں وہ بدل سکتے ہیں۔ میں نے مضبوط لہجے میں گویا بات ختم کی۔ اتنی محبت اور مسرتیں دوں گی کہ انہیں بدلنا ہی ہو گا۔ وہ ایک اچھا شوہر اور باپ بننا سیکھ جائیں گے"۔[28]

ہر انسان اپنی ذات میں محبت کا ایک طوفان رکھتا ہے جب وہ اس طوفان کو اپنی ذات کی حدود سے باہر نکال دے تو پھر اس کے آگے کوئی بھی دیوار کھڑی کرنا ناممکن ہو جاتا ہے۔ اس طوفان کے سامنے ثانوی ضروریات بے بس اور ناتواں نظر آتی ہیں۔ مگر یہ کمزوری نہیں بلکہ کسی بھی منزل تک پہنچنے کے لیے ایک سیڑھی ہے۔ سچی محبت ہی انسانیت ہے۔ جس طرح انسان خدا سے محبت کے بعد دوسرے کسی کو اپنے دل میں جگہ نہیں دے پاتا بالکل اسی طرح جب مخلوق سے بھی محبت کی جائے تو تمام قسم کی لالچ کو دل سے نکال باہر کرنا چاہیے۔ ایسی محبت کے بارے میں حضرت علی ہجویری نے سہل عبداللہ تستری اور ابو القاسم قشیریؒ کے اقوال نقل کیے ہیں:

"محبت یہ کہ محبوب کی اطاعت سے معانق رہے اور مخالف امور سے مجتنب رہے، محبت یہ ہے کہ محب اپنی صفتوں کو طلب محبوب میں محو کر دے اور محبوب کا اثبات اپنی ذات سے قائم کرے۔"[29]

ایلا بھی ایک عورت ہے، جو اسلام نام کے مذہب سے تو واقف نہیں مگر روحانی سکون اور اصل محبت کو خوب جانتی ہے جو خاندان یا پیسے سے نہیں بلکہ کسی سچے دل سے ملتی ہے۔ کیرا بھی ایک عیسائی خاتون ہے جو مولانا روم جیسے عالم کی زندگی میں ان کی دوسری بیوی بن کر آتی ہیں اور ان کے لیے راحت کا باعث بن جاتی ہیں۔ کمیا بھی ایک عورت ہے جو شمس تبریز جیسے بزرگ کا کردار دیکھ کر ان سے لگاؤ پیدا کر لیتی ہے اور ان کے نام اپنی کمسن جوانی کر دیتی ہے۔

اسلامی تصوف میں بے لوث محبت کا ذکر ملتا ہے اور بے لوث محبت وہ محبت ہے جس کے بدلے میں کسی مادی فائدے کا خیال ذہن میں نہ آنے پائے۔ ایسی محبت کے بے مثال نمونے نبی کریم ﷺ کے صحابہ کرام نے پیش کیے۔ صوفیا کرام نے بھی انسان دوستی میں ایسی بے شمار مثالیں قائم کیں اور بغیر کسی طمع کے کی گئی محبت کے بدلے میں بہت سی اذیتیں بھی برداشت کیں۔ بے لوث محبت میں ملنے والی تمام اذیتیں نہ صرف محبت کا فخر ہیں بلکہ انسانیت کو زندہ رکھنے کی ضمانت بھی ہیں: ایسی اذیتوں کے حوالے سے حضرت علی ہجویریؒ اپنی کتاب کشف المحجوب میں لکھتے ہیں:

"محبت کی حقیقت یہ ہے کہ جفائے یار سے کم نہ ہو اور بخشش و عطار سے زیادہ نہ ہو۔ یعنی اصل محبت یہ ہے کہ جو ظلم اور سختی سے کم نہ ہو۔ اس لیے دونوں باتیں محبت میں سبب ہیں اور سبب وجود دواعیان کی حکمت میں گم ہوتے ہیں اور دوست دوست کی بلا پر خوش ہوتا ہے اور محبت کی راہ میں جفا اور وفا برابر ہیں۔"[30]

شمس تبریز انسانیت کو جگانے اور انسانیت سے عشق کرنے کا جذبہ لے کر ہی زندگی کے سفر پر نکلے تھے۔ عشق وہ مضبوط جذبہ ہے جس کے لیے انسان اپنی عزیز ترین متاع جان کو بھی قربان کر دیتا ہے۔ عشق کے حصول کے لیے انسان دن رات ایک کر دیتا ہے اور کھانے پینے کی پرواہ ترک کر دیتا ہے۔ عشق بذات خود چیز نہیں بلکہ جس سے گہری انسیت پیدا ہو جائے وہی عشق بن جاتا ہے۔ یہ عشق ہی ہے کہ اس کے پا لینے کے بعد انسان کے دل سے باقی دنیا کی محبت کا خاتمہ ہو جاتا ہے لیکن اس 'باقی دنیا' سے مراد باقی تمام انسان نہیں بلکہ تمام قسم کے وسائل اور خصائص ہیں جو مادی دنیا کے لیے کارآمد ثابت ہوسکتے ہیں۔ شمس تبریز کا ہر کام خدا کی خوشی کے لیے ہوتا مگر دیکھنے والے اس کو دنیا کی آنکھ سے دیکھتے اور اس طرح ہر دن شمس تبریز کے مخالفین بڑھتے چلے گئے۔ مگر شمس تبریز نے کبھی بھی اس بات پر کسی کی پرواہ نہیں کی بلکہ ان کے نزدیک صرف اور صرف انسانیت کے دل میں خدا کا گھر بنانا اور اپنے دل میں انسانیت کے لیے محبت اور محبت سے بڑھ عشق زندہ رکھنا تھا۔

کسی قسم کے ڈر سے حتیٰ کہ موت کے ڈر سے بھی انسانیت سے محبت کو ترک نہیں کر دینا چاہیے کیونکہ موت کا وقت معین ہے۔ شمس تبریز کا تقدیر پر پورا یقین تھا اور وہ بھی اپنی موت کی حقیت سے کسی طور بھی منکر نہ تھے۔ جس رات ان کو قتل کرنے کا منصوبہ بنایا گیا تھا وہ اس رات محبت کا سینتیسواں اصول بیان کر رہے ہوتے ہیں:

> "یہ اصول نمبر سینتیس ہے۔" شمس تبریز نے بات جاری رکھی، "خدا ایک باریک بین گھڑی ساز ہے اس قدر درست ہے اُس کا حکم زمین پر ہر امر اپنے وقت پر وقوع پذیر ہوتا ہے۔ نہ لمحہ بھر پہلے نہ ہی لمحہ بھر تاخیر سے۔ اور ہر کسی کے لیے گھڑی بالکل درستی سے کام کرتی ہے۔ ہر کسی کے لیے محبت کا ایک مخصوص وقت ہے اور موت کا ایک وقت مقرر۔"[31]

شمس تبریز نے انسانیت سے محبت کے ذریعے اپنے خالق کو راضی کرنے کے لیے جان کا نذرانہ پیش کر کے ہمیشہ قائم رہنے والی مثال قائم کر دی۔ جن شمس تبریز کے قاتلوں نے ان پر رات کے پہر حملہ کر کے ان کو ابدی نیند سلا دیا مگر ان کی موت بھی محبت کا ایک انوکھا اصول بن گئی کہ جب قاتل نے ان کو قتل کر کے کنویں میں پھینکا تو قاتل خود بھی حیران ہو گیا کہ ان کی لاش کے پانی میں گھرنے کی ذرا سی بھی آواز نہ آئی، جیسے ان کی لاش کسی کھونٹی پر لٹک گئی ہو اور کنویں کے پیندے تک نہ پہنچی بلکہ ان کے محبوب نے ان کی لاش کو بھی ہواؤں پر سوار کروا کر اپنے پاس بلا لیا تھا۔

> "ہم نے مل کر اس کی لاش اٹھائی جو عجیب طور پر بے حد ہلکی پھلکی تھی اور اُسے کنویں میں گرا دیا۔ ہانپتے ہوئے ہم میں سے ہر ایک نے ایک قدم پیچھے ہٹایا اور لاش کے پانی میں گرنے کے چھپاکے کے انتظار کرنے لگے۔ وہ آواز کبھی نہ آئی۔"[32]

اس تحقیقی مضمون کے اختتام پر ہم اس نتیجے پر پہنچے ہیں کہ اسلامی صوفیا نے انسانیت سے جس محبت کی مثالیں قائم کی ہیں وہ مثالیں ہر دور، ہر نسل، ہر گروہ حتیٰ کہ فردِ واحد میں بھی انسانیت کو زندہ رکھنے کے لیے سانسوں کی سی اہمیت رکھتی ہیں۔ خدا اور خدا کی مخلوق سے محبت کے لیے جان کا نذرانہ بھی پیش کرنا پڑے تو اس سے بھی دریغ نہیں کرنا چاہیے۔ اسلامی صوفیا شمس تبریز، مولانا روم اور منصور حلاج نے انسانیت سے محبت کر کے اس بات کو ثابت کیا ہے کہ مشرق ہو یا مغرب، کل ہو یا آج محبت ہر دور میں ہر خطے کے لیے ضروری ہے۔

حوالہ جات:

[1]۔وقاص خان، اردو سے اردو آف لائن ڈکشنری اور اصطلاحات، س ن

[2]۔آل احمد سرور، اقبال اور تصوف، (لبرٹی آرٹ پریس، نئی دہلی، 1980ء)، ص 13

[3]۔اے۔جے آربری، (صفی ازم، کوسموپبلیکیشنز، نیو دہلی، 2003ء)ص 8

[4]۔محمد مختار خان غزنوی، حقیقتِ تصوف، (میاں خیل پبلشرز، اسلام آباد، 2015ء)ص 14

[5]۔ایضاًص 14

[6]۔ایضاًص 15

[7]۔ڈاکٹر ابواللیث صدیقی، (اقبال اور مسلکِ تصوف، اقبال اکادمی لاہور، 1977ء)، ص 35

[8]۔محمد مختار خان غزنوی، حقیقتِ تصوف، ص 7

[9]۔القرآن، سورہ جمعہ، آیت ۲

[10]۔خواجہ شمس الدین عظیمی، (احسان وتصوف، شعبہ علوم اسلامیہ، بہاؤالدین ذکریا یونیورسٹی، ملتان، 2006ء)، ص 37

[11]۔محمد اکرام چغتائی، مولانا جلال الدین رومیؒ حیات وافکار، (سنگِ میل پبلی کیشنز، لاہور، 2004ء)ص ۱۲

[12]۔ایلف شفق، چالیس چراغ عشق کے، (جمہوری پبلیکشنز، لاہور، 2017ء)ص 172

[13]-ایضاًص 172

[14]-ایضاً، ص 178

[15]۔محمد مختار خان غزنوی، حقیقتِ تصوف، ص 22۔

[16]۔ایضاًص 53

[17]۔ایلف شفق، چالیس چراغ عشق کے، ص 111

[18]۔مفتی غلام معین الدین نعیمی (مترجم)، کشف المحجوب، (باباپبلشرز اردو بازار، لاہور، س ن)ص 499-500

[19]-Tolba Mohamed Amine,The impact of Sufism on the contemporary American Society in ElafShafak,s novel, The Forty rules of love,Larabi Bin M,hidiUniversity,Oum El bouagh,2016,p54.55

[20]۔ایلف شفق، چالیس چراغ عشق کے، ص 365

[21]۔ایضاًص 369

[22]۔، ایضاًص 371

[23]۔حضرت علی ہجویری، مترجم (ابوالحسنات، سید محمد احمد قادری)، کشف المحجوب، (ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، کراچی، 2017ء)ص 555

[24]۔جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، (سنگ میل پبلیکشنز، لاہور، 2011ء)ص 78

[25]۔جمیلہ ہاشمی، دشتِ سوس، ایضاًص 123

[26]۔ایلف شفق، چالیس چراغ عشق کے، ص 138

[27]۔ایضاًص 317

[28]۔ایضاًص 299

[29]۔حضرت علی ہجویری، مترجم (ابوالحسنات، سید محمد احمد قادری)، کشف المحجوب، (ضیاءالقرآن پبلی کیشنز، کراچی، ۲۰۱۷ء)ص 552-53

[30]۔علی ہجویری، کشف المحجوب، ایضاًص 555

[31]۔ایلف شفق، چالیس چراغ عشق کے، (جمہوری پبلیکشنز، لاہور، 2017ء)ص 355

[32]۔ایلف شفق، چالیس چراغ عشق کے، (جمہوری پبلیکشنز، لاہور، 2017ء)ص 356